اور دو سرے طلبہ کے ریسرچ کی نگرانی کرنا ہے۔ چنانچہ آج کل ایک صالح مسلمان نوجوان ماسٹر محمود جنہیں یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی طرف سے ڈھائی سو روپیہ ماہانہ کا اسکالرشپ ملا ہوا ہے۔ انصاری صاحب کی نگرانی میں دارا شکوہ کے پیر شیخ محب اللہ الہ آبادی پر تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ بی۔ اے اور ایم۔ اے کلاسز میں اسلام پر لکچر بھی دیتے ہیں جو ان کلاسوں کے کورس میں داخل ہے۔

تیسری بات فطرت سے قریب تر رہنے کی ڈاکٹر ٹیگور نے جو کہی تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے خیال میں شہری زندگی مصنوعی اور بناوٹی تھی اور دیہاتی زندگی اصلی اور فطری۔ اس بنا پر وہ چاہتے تھے کہ یونیورسٹی میں دیہاتوں کی فضا اور منظر قائم رہے چنانچہ یہ بات اب تک موجود ہے۔ شہری زندگی کی چہل پہل۔ ہنگامہ، ہماہمی، شور و غل، شان و شوکت اور زیبائش و آرائش۔ ان چیزوں کا وہاں نام و نشان نہیں ہے۔ اس کے برعکس دیہات کی فضا اور ماحول یعنی سکون اور خامشی۔ کھیت۔ باغ۔ درختوں کے جھنڈ۔ سبزہ پوش زمینیں۔ جھاڑیاں۔ ٹیلے۔ تالاب ادھر ادھر چرتے ہوئے جانور۔ چھوٹی چھوٹی بے رونق دکانیں۔ کھلا آسمان۔ صاف و شفاف ہوا، ننگا سورج اور عریاں چاندنی یہ سب وہاں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ میں طبعاً پہاڑوں اور دیہاتی مناظر کا دلدادہ و شیفتہ ہوں اس لئے جب تک یہاں رہا طبیعت بڑی چونچال اور بشاش رہی۔ روزانہ علی الصباح سورج نکلنے سے گھنٹہ سوا گھنٹہ پہلے اپنے کمرہ سے نکل جاتا تھا اور دور دور تک گھوم پھر کے واپس آتا تھا۔

ڈاکٹر ٹیگور کو اس کا اس درجہ اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ موصوف اپنے کسی طویل بیرونی دورہ سے واپس آئے اور یہاں دیکھا کہ سمینٹ کی پختہ سڑک بنی ہوئی ہے تو بہت بگڑے اور کہا کہ میں تو سڑکیں بھی دیہاتوں کی سڑکوں کی طرح کچی ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ ایک بنگالی خاتون نے جب یہ واقعہ بیان کیا اور مجھے یہ سن کر متنبی کا یہ شعر

حسن الحضارة مجلوب بتطرية وفي البداوة حسن غير مجلوب